پرواز کرتے ہوئے بارگاہ قدس میں سبقت لے جاتے ہیں، تب اپنے مرتبہ و درجہ اور قدرت و طاقت کی وجہ سے کارکنانِ قضا و قدر میں سے ہو جاتے ہیں۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۴۲ جلد ۳۰ مطبوعہ تہران۔ علامہ موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں۔ "لا ینبغی التوقف فی ان اللّٰہ قد یکرم من شاء من اولیاءہ بعد الموت کما یکرمہ قبلہ بما شاء فیبرئی سبحانہ المریض وینقذ الغریق وینصر علی العدو وینزل الغیث وکیت وکیت کرامۃ لہ۔ روح المعانی جلد ۳۰ ص ۲۵۔

ترجمہ۔ اس امر میں توقف و تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے اولیاء کو وصال کے بعد بھی کراموں سے نوازتا ہے، جیسا کہ حالت حیات میں پس کبھی مریض کو ان کے ہاتھ پر بطورِ کرامت شفا بخشتا ہے۔ کبھی کسی کو غرق ہونے سے بچاتا ہے کبھی دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے تو کبھی ان کے عرض کرنے پر بارش برساتا ہے وغیرہ

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ علامہ اسماعیل حقی۔ امام فخر الدین رازی . . . . .

. . قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری نے بھی اسی سے ملتی جلتی تفسیر بیان کی ہے۔

(چوہدری محمد علی)

مولانا عبدالرحمان کیلانی

الجواب

۹ قرآنِ مجید سے سماعِ موتیٰ کی دلیل ۱

یہاں لفظ "وَاسْئَلْ" کا ترجمہ بعض مترجمین نے "پوچھو" کے بجائے

"احوال دریافت کرو" بھی کیا ہے (مثلاً فتح المجید ترجمہ فتح محمد جالندھری) تاہم حاشیہ میں اکثر مفسرین نے وضاحت کردی ہے کہ اس سے مراد ان رسولوں کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا ہے مثلاً:

۱۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین حاشیہ موضح القرآن (شاہ عبدالقادر): "ف یعنی ان رسولوں پر جو کتابیں اتری تھیں ان کو دیکھ لے یا ان کی امت کے لوگوں سے پوچھ لے۔"

۲۔ موضح القرآن از وحید الزمان نے بھی حاشیہ پر بالکل یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔

۳۔ تفہیم القرآن: ۴۰ رسولوں سے پوچھنے کا مطلب ان کی لائی ہوئی کتابوں سے معلوم کرنا ہے۔ جس طرح "فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی معاملہ میں اگر تمہارے درمیان نزاع ہو تو اسے اللہ اور رسولؐ کے پاس لے جاؤ، بلکہ یہ ہے کہ اس میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کی طرف رجوع کرو۔ اسی طرح رسولوں سے پوچھنے کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ جو رسول دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، ان سب کے پاس جا کر دریافت کرو۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ خدا کے رسول دنیا میں جو تعلیمات چھوڑ گئے ہیں، ان سب میں تلاش کر کے دیکھ لو، آخر کس نے یہ بات انہیں سکھا دی کہ اللہ جل شانہ کے سوا بھی کوئی عبادت کا مستحق ہے؟

۴۔ ترجمہ رضا خاں بریلوی (کنز الایمان) اور حاشیہ نعیم الدین مراد آبادی: ۴۵ رسولوں سے سوال کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ادیان و ملل کی تلاش کرو۔ کہیں بھی کسی نبی کی امت میں بت پرستی روا رکھی گئی ہے؟ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ مومنین اہلِ کتاب سے دریافت کرو۔ کیا کسی نبی نے غیر اللہ کی عبادت کی اجازت دی؟ تاکہ مشرکین پر ثابت ہو جائے کہ مخلوق پرستی نہ کسی رسول نے بتائی نہ کسی کتاب میں آئی۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ شبِ معراج سید عالمؐ نے بیت المقدس میں تمام انبیاءؑ کی امامت فرمائی۔ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اے سرورِ اکرمؐ، اپنے سے پہلے انبیاءؑ سے دریافت فرما لیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی اور کی عبادت کی اجازت

دی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اس سوال کی کچھ حاجت نہیں۔ یعنی اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ تمام انبیاءؑ توحید کی دعوت دیتے آئے۔ سب نے مخلوق پرستی کی ممانعت فرمائی۔"

اب دیکھیے ہم نے چار مختلف مکاتب فکر کے مفسرین کے حواشی پیش کر دیے ہیں۔ اور چاروں نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ یہاں "وَاسْئَلْ" سے مراد ان کی کتابوں سے یا مؤمنین اہل کتاب سے معلوم کرنا ہے۔ نہ کہ گزشتہ رسولوں سے دریافت فرمانا۔ اور پانچویں فتح محمد جالندھری بھی ہیں۔ جنھوں نے ترجمہ میں ہی یہ مسئلہ حل کر دیا۔ البتہ کنز الایمان کے مفسر نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک روایت بھی درج فرمائی۔ اور یہی روایت جناب محمد علی صاحب مضمون کو بھی پسند آئی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس مضمون میں یہ روایت تفسیر کبیر ج ۷، ص ۴۳۰ کے حوالہ سے درج فرمائی ہے۔ لیکن یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے وجہ یہ ہے کہ سورۂ زخرف کی یہ آیت واقعۂ معراج سے کافی عرصہ بعد نازل ہوئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل، جس میں مسجد اقصیٰ کے واقعہ کا ذکر ہے، کا ترتیب نزول کے حساب سے نمبر ۵۰ ہے۔ جبکہ سورۂ زخرف کا ترتیب نزول کے حساب سے نمبر ۶۳ ہے۔ معراج کا واقعہ، ہجرت سے دو سال قبل کا ہے۔ جبکہ سورۂ زخرف اس وقت نازل ہوئی جبکہ کفار آپؐ کی جان کے درپے تھے۔ جیسا کہ اس سورہ کی آیت نمبر ۷۹، ۸۰ سے واضح ہے۔ لہٰذا قبل از نزول آیت مذکورہ، جبریلؑ کا حضورؐ سے یہ کہنا کہ "ان رسولوں سے پوچھ لیجئے" اور پوری آیت پڑھ جانا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

پھر اگر اس روایت کو درست بھی تصور کر لیا جائے تو بھی اس پر درج ذیل اشکال وارد ہوتے ہیں۔

۱۔ مسجد اقصیٰ میں سوا لاکھ پیغمبروں کے (برزخی زندگی میں) جمع ہونے کے علاوہ اس سے قبل، تمام بنی نوع انسان کی ارواح کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی حاضر کیا تھا جب ان سے عہد "الست" لیا تھا۔ اور اس دور کو خدا تعالیٰ نے موت کا دور کہا ہے تو پھر تو سماع موتی کے قائلین کو اس معراج والے

سوال جواب کے بجائے اس واقعہ سے نبوت پیش کرنے کا زیادہ فائدہ ہے کیونکہ اس موت کے دور میں روحوں نے صرف سنا ہی نہیں تھا بلکہ جواب بھی دیا تھا۔

۲۔ جبریلؑ نے حضور اکرمؐ سے کہا بھی کہ انبیاءؑ حاضر ہیں۔ ان سے سوال کیجئے۔ لیکن آپؐ نے پھر بھی سوال نہیں کیا تو اس آیت پر عمل کیا ہوا؟

۳۔ پھر جب آپؐ نے سوال ہی نہیں کیا، نہ ہی انبیاءؑ کی ارواح نے کچھ جواب دیا تو سماعِ موتیٰ ثابت کیسے ہوا؟ اور اس روایت سے آپ کا استدلال درست کیونکر؟

ان تصریحات سے البتہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "وَاسْئَلْ" کا حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ یعنی اگر آپؐ چاہیں تو سابقہ انبیاءؑ کی کتب یا ان یہود و نصاریٰ کے مومنین یا بمصداقِ روایتِ بالا انبیاءؑ کی ارواح سے پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ آپؐ کو یقین تھا کہ ایسی بات کا کسی الہامی کتاب میں لکھا ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا آپؐ نے کسی سے بھی کچھ نہ پوچھا اور نہ ہی سماعِ موتیٰ کے استنباط کی گنجائش باقی رہی۔

۱۰ھ اس حدیث پر میں اپنے مضمون مطبوعہ محدث ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ کے صـ ۹۳/۴۵ پر زیرِ عنوان "موضوع احادیث" بحث کر چکا ہوں۔

۱۱ھ طبرانی کی اس حدیث پر بھی مندرجہ بالا مضمون صـ ۹۴/۴۴ پر بحث کر چکا ہوں۔

۱۲ھ شہداء کی زندگی پر میں اپنے مندرجہ بالا مضمون مطبوعہ محدث ربیع الآخر ۱۴۰۴ھ صـ ۱۴۱/۴۵ پر اور ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ صـ ۱۶۳/۱۹ پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ لہٰذا ان تمام مباحث کے تکرار کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

۱۳ھ من دون اللہ کی تشریح:

"وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا ..... وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ" کی تشریح کے سلسلہ میں جناب محمد علی صاحب موصوف نے جن مفسرین کے اقوال پیش فرمائے ہیں، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر خازن کے مطابق "من دون اللہ" سے مراد بت ہیں، جبکہ تفسیر کبیر کے مطابق "من دون اللہ" سے مراد قطعاً بت نہیں ہو سکتے کیونکہ بت تو قیامت کے دن بھی جواب نہ دے سکیں گے۔ لہٰذا اس سے مراد وہی موتیٰ ہو سکتے ہیں جو قیامت کو زندہ ہو کر جواب

دیں گے اور گفتگو کریں گے۔ گویا آپ نے پہلے دو مفسروں کے اقوال کی خود ہی تیسرے مفسر کے قول سے تردید فرما دی۔ لہٰذا مجھے اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت بھی نہیں۔

۱۴ھ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی نبی، رسول، شہید اور صالح کی عبادت کی ہے تو اس آیت "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" کے بموجب یہ بزرگ ہستیاں معبودانِ باطل کی عقوبت سے مستثنیٰ ہی رہیں گی۔ البتہ ان کو پوجنے والے ضرور جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم، لیکن اس سے سماعِ موتیٰ کیسے ثابت ہوگیا؟ یہ عقدہ ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ شاید اس پر موصوف کچھ روشنی ڈال سکیں۔ اس سے تو الٹا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو سماعِ موتیٰ کو درست سمجھ کر انہیں پکارتے رہے یا عبادت کرتے رہے ہیں ان کو ان کے اس جرم کی سزا یہ ملے گی کہ وہ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ رہی یہ بزرگ ہستیاں، تو چونکہ ان کا اپنا کوئی قصور نہیں، لہٰذا انھیں دوزخ سے دُور رکھا جائے گا اور جو بتوں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا تو وہ بھی محض مشرکین کے اس زعمِ باطل کی تردید اور مزید حسرت و یاس کے احساس دلانے کے لیے ہوگا۔ ورنہ پتھر کے بتوں کا اپنا کیا قصور ہوسکتا ہے اور جہنم میں داخل کرنے سے انہیں کیا نقصان پہنچے گا؟

جناب محمد علی صاحب لکھتے ہیں:

"بلکہ قرآنِ مجید کی بہت سی آیات سے سماعِ موتیٰ ثابت ہوتا ہے۔"

اب درج بالا آیت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کی تو ہم نے وضاحت کردی ہے۔ باقی جو آیات درج فرما کر آپ نے ثبوت پیش کیے ہیں وہ "وَاسْئَلْ" کے الفاظ سے شروع ہونے والی آیت کے علاوہ صرف ایک مزید آیت ہے جو ۱۷ھ کے تحت زیرِ بحث آرہی ہے۔

۱۵ھ اس آیت پر پہلے بحث ہوچکی ہے۔

۱۶ھ نہ ہمیں قلیب بدر کے واقعہ سے انکار ہے نہ ان مفسرین کی تفسیر سے۔ یہ سب صورتیں معجزہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور استثنائی صورتیں ہیں۔ لہٰذا ان واقعات سے

علی الاطلاق سماعِ موتیٰ ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس بات سے آخر کسے انکار ہے کہ اللہ جب چاہے مُردوں کو سنا سکتا ہے۔ اختلاف تو اس بات میں ہے کہ آیا ہم لوگ بھی مُردوں کو سنا سکتے ہیں؟ یا عام حالات میں وہ ہماری بات بھی سن سکتے ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ واقعات ایسا ثبوت مہیا نہیں کرتے۔ بلکہ الٹا قرآنی نصوص اس کا رد ضرور ثابت کرتی ہیں۔

۱۷۔ "وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا" کی تفسیر جو آپ نے روح المعانی کے حوالہ سے پیش فرمائی ہے۔ یہ تفسیر بالماثور کے خلاف ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سب نے یہاں فرشتے ہی مراد لیے ہیں نہ کہ نفوسِ فاضلہ۔ اور قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ کنز الایمان کے حاشیہ نویس جناب نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے بھی یہاں فرشتے ہی مراد لیے ہیں کیونکہ فرشتے ہی جسم میں ڈوب کر جان کو کھینچ نکالتے ہیں اور "مدبراتِ امر" بھی فرشتے ہی ہیں۔ یہاں جناب محمد علی صاحب نے جن چند مفسرین کے نام روح المعانی کی تائید میں پیش فرمائے ہیں، یہ سب تصوف زدہ معلوم ہوتے ہیں۔ جنھیں ہر وقت یہ فکر دامنگیر ہوتی ہے کہ جہاں تک بن پڑے فوت شدہ "اولیاء اللہ" کا "تصرف فی الامور" بھی کسی طرح کتاب وسنت سے ثابت کیا جائے۔ روح المعانی کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ آپ معانی کی روح کھینچ کر ایسی تفسیر بیان فرما رہے ہیں۔ متصوفین حضرات ظاہری معانی کو ہیچ سمجھ کر بعینہٖ باطنی معانی کی دریافت میں اپنی کوششیں صرف کیا کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو تفسیر صاحبِ روح المعانی نے پیش فرمائی ہے، آیا قرآنِ کریم کے الفاظ ان معانی کے متحمل بھی ہیں یا نہیں؟

صاحبِ روح المعانی کے مطابق آیات نمبر (۱) اور (۲) کے معنی یا تفسیر یہ ہے،

"وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا"

"ان نفوسِ فاضلہ کی قسم جو موت کی وجہ سے بدن سے بزور الگ کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ بدن سے الفت ومحبت کی وجہ سے ان کی جدائی بہت مشکل ہوتی ہے۔"

اب دیکھئے درج بالا ترجمہ یا تشریح پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

۱۔ "نَزَعَ" فعل متعدی بمعنی کسی چیز کو اس کی قرار گاہ سے کھینچنا ہے۔ (مفردات)

"مَنزع" بمعنی "جان کنی کا وقت" ہے اور "غرق" فعل لازم بمعنی کسی چیز کا ڈوبنا ہے۔ اب اگر یہاں نازعات، اسم فاعل بمعنے کھینچنے والیاں، (اردو محاورہ کی نسبت سے کھلینچنے والے) سے مراد فرشتے لیے جائیں۔ تو آیت کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ فرشتے انسان کے جسم میں ڈوب کر اس کی رُوح کو نکالتے ہیں اور یہی بات کتاب وسنّت سے بھی ثابت و مسلّم ہے۔ لیکن اگر یہاں فرشتوں کے بجائے نفوسِ فاضلہ مراد لیے جائیں تو وُہ تو پہلے ہی اپنے اجسام میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کے کسی دوسری چیز میں ڈوبنے اور اس کو اس کی قرار گاہ سے کھلینچنے کی کیا تک ہے؟

۲۔ قرآن نے "نازعاتِ" اسم فاعل کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ بمعنی کھینچنے والے یا والیاں۔ لیکن رُوح المعانی نے اس کا ترجمہ بصورتِ مفعول "بدن سے بزور الگ کیے جاتے ہیں" کیا ہے جو گرامر کے لحاظ سے غلط ہے۔

۳۔ "وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا" فرشتے تو انسان کے جسم کے بند بند اور جوڑ جوڑ سے جان نکال لاتے ہیں لیکن نفوسِ فاضلہ جو پہلے ہی جسم میں موجود ہوتے ہیں اور "بدن سے الفت و محبت کی وجہ سے ان کی جدائی بہت مشکل ہوتی ہے۔" وُہ کیسے بند بند کو کھول سکتے ہیں؟ کیا بدن سے الفت و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس کے بند بند کو خود ہی کھولنا شروع کر دیں؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ صاحب روح المعانی نے "وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا" کا ترجمہ یا تفسیر ہی چھوڑ دی اور اس کے بجائے جو فقرہ درج فرمایا کہ "ان نفوسِ فاضلہ کو بدن سے الفت و محبت کی وجہ سے جدائی بہت مشکل ہوتی ہے؟" یہ دراصل ان کی اپنی طرف سے پہلی آیت کی مزید تشریح و تفسیر ہے۔

۴۔ جن نفوس کو اپنے بدن سے اتنی الفت و محبت ہو وہ فاضلہ ہو کیسے سکتے ہیں؟ عام نفوس کو تو فی الواقعہ بدن سے محبت ہوتی ہے۔ لیکن نفوسِ فاضلہ کو بدن سے ایسی محبت قطعاً نہیں ہوتی۔ یا پھر ایسے نفوس فاضلہ ہوتے ہی نہیں۔

بات دراصل وہی ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ اہلِ طریقت حضرات "فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا" میں اپنے مزعومہ "اولیاء اللہ" کو شریک بنانا چاہتے

ہیں۔ لہٰذا انہوں نے پہلی آیت سے ہی نفوسِ فاضلہ کا لفظ شامل کر کے اس کے لیے بنیاد ہموار کرنا شروع کر دی۔ اور تان یہاں آکر ٹوٹی کہ "اس امر میں توقف و تردد کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے "اولیاء" کو مرنے کے بعد بھی کرامتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ حالتِ حیات میں"

سوچنے کی بات ہے کہ وفاتِ نبویؐ کے وقت چار لاکھ کے قریب مسلمان موجود تھے اور سوا لاکھ تو حجۃ الوداع کے موقعہ پر موجود تھے اور یہ دورِ صحابہ کرامؓ ۱۱۰ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اب ان چار لاکھ صحابہ کرامؓ سے پورے سو سال کے عرصہ میں صرف بارہ کرامات مذکور ہیں۔ پھر ان بارہ میں سے بھی بعض روایات ضعیف و مجروح ہیں۔ لیکن ہمارے ان اولیاء اللہ میں سے ہر ایک ولی کی زندگی کرامات سے بھرپور ہوتی ہے۔ پھر مرنے کے بعد بھی ان کی کرامات کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے۔ تو کیا ان اولیاء اللہ کے نفوس صحابہ کرامؓ سے بہت زیادہ فاضلہ ہیں جن کی کرامات اور تصرف فی الامور کا یہ عالم ہے۔؟

(جاری ہے)

خلافت و جمہوریت

از قلم

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے!

ضخامت : ۲۸۸ صفحات

مجلد سنہری ڈائیدار ——— قیمت ۳۸ روپے

ناشر

ادارہ محدث ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن ——— لاہور ۱۴